جناب یونس حسن حسرت

بنگلہ دیش پر عیسائیت کی یلغار

۲

سوال پیدا ہوتا ہے کہ یہ این جی اوز کس مقصد کے لیے کوشاں ہیں؟ ایک سیاسی اور سماجی انقلاب برپا کر کے "روشنی اور تہذیب" لانا؟ اس معاملے پر ڈالی گئی ان کی اپنی "روشنی کے مطابق" اور "تاریک اور شب گرفتہ" مسلم بنگال کی دھرتی پر تعمیر و ترقی کی چکا چوند کرنا!

ان این جی اوز کی بڑی تعداد عیسائی واقع ہوئی ہے اگرچہ بالعموم ان کے ناموں سے یہ حقیقت آشکارا نہیں ہوتی۔ ان میں سے کچھ تو علانیہ کہتی ہیں کہ وہ انجیلی ہیں جب کہ اکثریت کی مثال "چھپی ہوئی کھونٹیوں" جیسی ہے۔ یہ "کھونٹیاں" اپنے طریقہ واردات میں بے حد عیار اور چالاک ہیں۔ یہ اپنی تبلیغی دلچسپیوں کا اظہار نہیں کرتیں۔ ان کا کام یہ ہے کہ نو معتقدوں/عیسائیت اختیار کرنے والوں کو دنیاوی آسائشات بہم پہنچائیں۔

بنگال کی سرزمین پر عیسائیت کی تبلیغ کے لیے فعال قسم کی دلچسپی کا آغاز دو صدیاں قبل ہوا۔ ۱۷۵۷ء میں برطانوی ایسٹ انڈیا کمپنی کی فوجوں نے بنگال کے مسلم حکمران نواب سراج الدولہ کو جنگ پلاسی میں شکست دی اور ۱۷۹۳ء میں مشہور برطانوی مبلغ ولیم کیرے کلکتہ پہنچا۔ پھر بائبل اور دوسرے تبلیغی مواد کے بنگالی زبان میں ترجمہ کرنے کا آغاز ہوا اور بنگال بھر میں مشنری اسکول قائم کرنے کا کام شروع کر دیا گیا۔ اس کے ساتھ ہی بنگالی زبان سے عربی، فارسی اور اسلامی اصطلاحات اور الفاظ کو نکالنے کی بھی دانستہ کوشش کی گئی تاکہ یہ ہندو زبان سنسکرت کے قریب ہو جائے۔ بنگال کے ۱۹۰ سالہ نوآبادیاتی راج کے دوران صرف ایک لاکھ گیارہ ہزار چار سو چھیالیس لوگوں نے عیسائی مذہب اختیار کیا (یعنی آج کے بنگلہ دیش میں تقریباً پچاس ہزار)۔ لیکن آنے والے وقتوں کے لیے اس تبلیغی کام کا سنگ بنیاد رکھ دیا گیا۔

نوآبادیاتی پالیسی کا مرکزی نقطہ یہ تھا کہ اسلامی تعلیم کی حوصلہ شکنی کی جائے اور "اوقاف" (اسلامی مذہبی ادارے) کا گلا گھونٹا جائے تاکہ مقامی باشندے مجبور ہو کر اپنے بچوں کو مدرسوں کے بجائے مشنری اسکولوں میں بھیجیں۔ اس کے ساتھ اس امر کو بھی یقینی بنایا جائے کہ لوگ اپنی صحت کے مسائل کے لیے مشنری اسپتالوں کی طرف رجوع کریں۔ یہ پالیسی کامیاب رہی اور ایک ایسا مسلم طبقہ وجود میں آگیا جو اپنے انٹلیکچول

"سپہداران" کا زیر بار احسان تھا اور بڑے خلوص سے اس بات پر یقین رکھتا تھا کہ تعلیم، صحت، بہبود اور فلاح کے کاموں کا انصرام مشنری ادارے ہی بہتر انداز میں کر سکتے ہیں۔ یہی وہ طبقہ تھا جسے برطانوی راج کے خاتمے پر مشرقی پاکستان میں اقتدار منتقل ہوا اور اس طرح آزادی ملنے کے بعد بھی اس طبقے نے اپنے آقاؤں کی تشکیل کردہ تعلیمی اور بہبودی پالیسیوں کو تھوڑی بہت ترامیم اور تبدیلی کے ساتھ جاری و ساری رکھا۔ درحقیقت جہاں اس طبقے کے نو آبادیاتی آقا مشنری تنظیموں سے اپنے تعلق کو پردہ راز میں رکھنا چاہتے تھے، وہاں بھی اس شعوری طور پر غلام طبقے نے ایسی کوئی ضرورت محسوس نہ کی اور ملک کو ہر قسم کی غیر فلاحی تنظیموں کے لیے کھول دیا۔ قطع نظر اس کے کہ ان کا مذہبی پس منظر کیا ہے۔

اس طبقے کا زیادہ تر مفاد یہ تھا کہ یہ مشفق "سپہداران" ملک میں غیر ملکی زرمبادلہ لا رہے تھے جس میں سے وہ اپنا حصہ بھی وصول کر سکتے تھے۔ یہاں تک مذکورہ طبقے کا تعلق ہے تو یہ تنظیمیں اگر سرحدی علاقوں میں غیر مسلم قبائل کو عیسائی بنا رہی تھیں اور اپنی توجہ ہندوؤں پر مرکوز کر رہی تھیں تو بھی یہ ٹھیک ہی تھا کیونکہ خود یہ لوگ تو غیر مسلموں میں اسلام کا آفاقی پیغام پہنچانے کی کوئی ضرورت محسوس نہیں کرتے۔ مشرقی پاکستان عددی برتری کی خالص جمہوری منطق کے تحت مشرقی پاکستان بنا، یعنی اس خطے میں مسلمانوں کی غالب اکثریت تھی، لہذا یہ ایک علیحدہ مسلم ریاست ہونی چاہیے تھی لیکن حصول آزادی کے بعد مقتدر طبقہ اپنے ہونے کے تعدادی منطق سے لاتعلق ہو گیا جب کہ اس معیاری واجبات کا تو ذکر ہی کیا جو اسلامی ریاست کے قیام کے ساتھ ساتھ چلتے ہیں۔ تاہم جب مشرقی پاکستان، بنگلہ دیش بنا تو علاقے میں عیسائیوں کی تعداد ... فیصد تک بڑھ چکی تھی یعنی ۱۹۴۷ء میں ۵۰،۰۰۰ سے ۱۹۷۱ء میں ۲۰۰،۰۰۰ تک۔

بنگلہ دیش کے قیام کا سبب مسلمانوں کا داخلی تنازعہ تھا اور جب یہ طے ہو چکا تو بنگلہ دیش نے خود کو بین الاقوامی طاقتوں کی گود میں پایا جن کا اپنا معاشی اور سیاسی اور مذہبی ایجنڈا تھا۔ وہ اس کی کمزوریوں سے فائدہ اٹھانے کی خواہاں تھیں اور اس کی سماجی، معاشی، سیاسی ساخت کو مزید اس حد تک کمزور کر دینا چاہتی تھیں کہ جہاں قوم خود بخود ایک نئی نو آبادیاتی ٹوکری میں جا گرے۔ ڈھاکہ میں والی ایم سی اے رہنگ سینٹر کرسچین ایسوسی ایشن) کے جاری کردہ کتابچے "عوام سے عوام تک" میں لکھا ہے: "بنگلہ دیش کے سماجی ڈھانچے کو تعلیمات انجیل کے مطابق ڈھالنے کے عمل میں عیسائی تحریک کو لازماً ایک بھرپور قوت ہونا چاہیے"۔ بنگلہ دیش میں سرگرم عمل غیر ملکی فلاحی تنظیموں کے مقاصد میں کسی قسم کا کوئی ابہام نہیں ہے۔ قطع نظر بالعموم فلاح و بہبود نہیں ہے، مقصد یہ ہے کہ قوم کے سماجی ڈھانچے کو تبدیل کیا جائے۔

۱۹۷۱ء سے ۱۹۹۱ء کی درمیانی مدت میں بنگلہ دیش میں عیسائی مذہب قبول کرنے والوں کی تعداد ۲ لاکھ

سے بڑھ کر ۲ لاکھ ہو چکی ہے اس بارے میں عیسائی ذرائع اعداد و شمار کو کم ظاہر کرتے ہیں لیکن معلوم ہوا کہ اگلے بیس برسوں میں ان تنظیموں کا ہدف عیسائی آبادی کو ۱۰ سے ۱۲ ملین تک پہنچانا ہے۔ شمالی بنگال میں گمرپ کی پہاڑیاں اور چٹا گانگ کے پہاڑی خطے جیسے سرحدی علاقوں میں لوگوں کو عیسائی بنانے کے لیے خصوصی توجہ دی گئی ہے۔ ڈھاکہ کا ۱۱ اسد ایونیو، زیادہ تر عیسائیوں کی ملکیت ہے اور شہر پورا گرجوں کا شہر بن چکا ہے۔ تشویشناک امر یہ ہے کہ نہ صرف ہندو اور بدھ قبائل عیسائیت اختیار کر رہے ہیں بلکہ مسلمان بھی عیسائی بن رہے ہیں۔ قبل ازیں انڈونیشیا کی طرح اب بنگلہ دیش بھی یہ ظاہر کرتا ہے کہ یہ نظریہ اب بعید از حقیقت ہے کہ ایک مسلمان، کیتھولک یا پروٹسٹنٹ عیسائی نہیں بن سکتا۔ ایک معتبر ذریعے مسلمان کو اب پہلے سے کہیں زیادہ آسانی کے ساتھ مترلزل عیسائی بننے کی طرف مائل کیا جا سکتا ہے۔

۱۹۹۱ء کے سمندری طوفان کے دوران چٹاگانگ میں ایک این جی او کے دفتر پر لوگوں نے حملہ کر دیا کیونکہ امدادی سامان مانگنے پر کہا گیا تھا کہ اپنا عقیدہ چھوڑ کر عیسائی بن جاؤ۔ مسلمانوں کو سامان سے محروم رکھا گیا۔ چرچ آف بنگلہ دیش نے اس کی توجیہ یہ پیش کی کہ یہ اشیاء عیسائی ممالک سے آئی تھیں۔

حکومت کے این جی اوز بیورو نے ایسی ۵۲ این جی اوز کی نشاندھی کی ہے جو براہ راست لوگوں کو عیسائی بنانے میں مصروف ہیں۔ فرقہ چاہے کوئی بھی ہو مذہبی اور سیکولر این جی اوز میں فرق ظاہری وضع کا ہے مقاصد کا نہیں۔ ایک این جی او مذہبی لحاظ سے غیر جانبدارانہ ہونے کا دعویٰ کرتی ہے اور ساتھ ہی معاشرے کی روح اور اقدار کو بگاڑنے میں معاونت بھی کرتی ہے جب کہ دیگر این جی اوز براہ راست روحوں کی فصل کاٹنے کی کوشش کرتی ہیں۔ بنگلہ دیش کے ۶۰ ہزار سے زائد دیہات جو کہ ملک کی دیہی آبادی کا نصف ہیں کسی ایک یا دوسری این جی او نے سنبھال رکھے ہیں۔ ان سب کا طریقۂ واردات عام نوعیت کا ہے۔ کرپشن، ترغیب پھر عقیدے کی تبدیلی!

این جی اوز بیورو رپورٹ نے ان طریقوں کی ایک دلچسپ اندرونی تصویر پیش کی ہے۔ مذہب کی تبدیلی اور عیسائی بنانے کے لیے کمزوری کا انتخاب کیا جاتا ہے، یعنی عورتیں، بچے، ان پڑھ، بے یار و مددگار اور غربت کے شکنجے میں جکڑے ہوئے بے بس اور محروم لوگ! کچھ این جی اوز اپنے عملے، بشمول مسلمانوں کے لیے بائبل پڑھنا لازمی قرار دیتی ہیں۔ ایک بڑی مشنری این جی او نے اپنے قائم کردہ اسکولوں میں صرف عیسائی اساتذہ مقرر کیے ہیں اور ہوسٹل میں رہنے کے خواہشمند طلبہ کے لیے ضروری ہے کہ وہ عیسائی ہوں۔ کسی بھی سرکاری یا دوسرے پرائیویٹ اسکول میں طالب علم کو اس کے اپنے مذہب کی تعلیم دی جاتی ہے جب کہ اکثر مشنری اسکولوں میں طالب علموں کو عیسائیت پڑھنا لازمی ہے۔ ایسے ہی ایک کیس میں جب ڈسٹرکٹ ایجوکیشن آفیسر

نے اس بے ضابطگی کی طرف توجہ دلائی تو اسے جواب ملا: "ہمیں آپ کی حکومت فنڈز دیتی ہے نہ ہم اس کے سامنے جواب دہ ہیں۔" ایک بڑی فلاحی تنظیم تقریباً ۱۸۵ اسکولوں کو چلاتی ہے جن میں سے زیادہ تر پرائمری اسکول ہیں۔ لیکن اس تبدیلی ادارے کے ثانوی اور ووکیشنل اسکولوں میں صرف انہی طلبہ کو داخلہ ملتا ہے جو عیسائی نو اعتقاد ہوں۔

ایک عیسائی این جی اوز کی پالیسی ہے کہ "مسلمانوں کو آخر میں ملازمت دو اور نئے عیسائیوں کی دستگیری کرو۔" اس پالیسی کا مقصد معاشی اور تعلیمی لحاظ سے مؤثر نو اعتقادوں کا معاشرہ قائم کرنا ہے جو افریقہ کے بہت سے ملکوں کی طرح آگے چل کر یہاں بھی طاقت کے کلیدی سیکٹروں پر کنٹرول حاصل کرسکیں گے۔ جیسے تعلیم، معیشت، بیوروکریسی، فوج اور سماجی پالیسی وغیرہ۔ ۱۹۹۱ء کے سمندری طوفان کے دوران چٹاگانگ میں نصف درجن این جی اوز کے ایک دفتر پر سینکڑوں لوگوں نے حملہ کردیا۔ وہ اس بات پر احتجاج کررہے تھے کہ امدادی سامان بانٹنے والوں سے کہا گیا کہ امدادی سامان لینا ہے تو پہلے اپنا عقیدہ چھوڑ کر عیسائی بن جاؤ۔ صرف یہی نہیں، بلکہ مسلمانوں کو امدادی سامان میں سے حقیر سا حصہ دیا گیا۔ چرچ آف بنگلہ دیش نے اس کی توجیہ یہ پیش کی کہ یہ اشیاء "عیسائی" ممالک سے آئی تھیں۔

خواتین میں تبلیغی کام "پروگرام برائے سماجی بیداری" کا نقاب اوڑھ کر کیا جاتا ہے۔ سماجی بیداری کا یہ پروگرام خواتین سے اسلامی ثقافت اور خاندانی اقدار چھڑا کر انہیں "آزادی نسواں" اور ضبط تولید کی آزاد اور ڈھیلی ڈھالی اخلاقیات سے متعارف کرواتا ہے۔ ایک این جی او کا فیلڈ ورکر جس کے بارے میں خیال کیا جاتا تھا کہ وہ آوارہ اور لاوارث بچوں کی نگہداشت کرتا ہے، وہ مبینہ طور پر چند بچوں کو ان کے والدین کی اجازت کے بغیر لے گیا۔ چھوٹے بچوں کو خریدنے کا ایک کاروبار ہے کہ خاموشی سے جاری و ساری ہے۔ ان بچوں کو عیسائی بنا کر مقامی طور پر یہاں کی پرورش کی جاتی ہے۔ یا انہیں باہر بھیج دیا جاتا ہے۔ اگر کوئی مسلمان کسی مشنری طبی مرکز پر جاتا ہے تو اسے کم تر درجے کی دوائی دی جاتی ہے۔ جب یہ دوائی اپنا اثر نہیں دکھاتی تو اچھی قسم کی دوا دے کر کہا جاتا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے مدد طلب کرو۔ اچھی دوائی سے مریض اچھا ہو جاتا ہے جو ایک ثبوت ہے کہ عیسائیت اسلام سے بہتر مذہب ہے۔

تاہم غور کرنے کی بات یہ ہے کہ وائی ایم سی اے جس تبدیلی کی خواہاں ہے وہ پہلے سماجی ڈھانچے میں رونما ہوگی یا پہلے ملک کا "سیاسی ڈھانچہ" تبدیلی کے عمل سے گزرے گا۔

این جی اوز پریشر گروپوں کی تشکیل اور انہیں فنڈز مہیا کرنے میں بھی حد سے زیادہ ملوث ہیں۔ مذکورہ پریشر گروپ بدلے میں ملکی سیاست اور سیاسی واقعات پر اثر انداز ہونے کی کوشش کرتے ہیں

اور معاملات کا رخ اسلامی یا قومیت پرست قوتوں کے برخلاف سیکولر حتیٰ کہ غیر اسلامی قوتوں کی حمایت میں موڑنے کی کوشش کرتے ہیں۔ ہو سکتا ہے کمیونزم مر گیا ہو، قبر میں بھی جا پڑا ہو، لیکن OXFAM کی حمایت یافتہ ایک "انقلابی" این جی اوز "گانا سحاجیا سنگستا" (GSS) طبقاتی جدوجہد اور پولیٹیکل پاور میں تبدیلی کا نعرہ لگا رہی ہے۔ جی ایس ایس کا فراہم کردہ "تعلیمی" مواد نہ صرف یہ کہ بائیں بازو کا ہے بلکہ غیر اسلامی اور ہند نواز بھی ہے۔ نائیجرا کوری (ان کا ترجمہ ہم خود کریں گے) ایک اور سیاسی طور پر فعال این جی او ہے جو متنازع سیاسی ایشوز پر موقف اپنانے اور حکومتی قوانین کی دھجیاں اڑانے میں کوئی مضائقہ نہیں سمجھتی۔ نائیجرا کوری، "کوکر سیجن ایڈ" وار آن وانٹ" (WAR ON WANT) اور کچھ دیگر بین الاقوامی اداروں کی حمایت حاصل ہے۔ اس تنظیم نے اپنے منصوبوں کے لیے حکومت سے زمین کے وسیع و عریض قطعات لیز پر لے رکھے ہیں تاکہ بے زمین لوگوں کی مدد کی جا سکے۔

این جی اوز بیورو کی انکوائری رپورٹ کے مطابق "نائیجرا کوری" نے سال ۹۱-۱۹۹۰ء میں حکومت کے علم یا منظوری کے بغیر ۱۴.۲۶ ملین ٹکا ٹکا کی رقم کے غیر ملکی فنڈز وصول کیے۔ دیہی ترقی کے نام پر اس تنظیم نے اپنے بجٹ کا ۷۵ فیصد اپنے عملے کی تنخواہوں اور الاؤنسوں پر خرچ کیا جب کہ ۲۰ فیصد ایڈمنسٹریشن، عملے اور دفتر اور ریسٹ ہاؤس کے بلوں کی مد میں اور جو باقی بچا، وہ تربیت اور سیمیناروں پر۔ تربیتی پروگرام اور سیمینار این جی اوز کے لیے وقت گذاری کا پسندیدہ مشغلہ ہیں اور انہیں بالعموم سیاسی سرگرمیوں کی ڈھال خیال کیا جاتا ہے۔ سرکاری رپورٹ میں "نائیجرا کوری" کے کام میں فنڈز کی خورد برد کی بھی نشاندہی کی گئی۔ اس نے سمندری طوفان سے بے گھر ہونے والوں کے لیے گھر بنانے کی مد میں جو رقم مختص کی تھی، حقیقت میں اس سے کہیں کم رقم خرچ کی۔ رپورٹ میں کہا گیا ہے کہ محنت مزدوری کرنے والے غریب طبقے کی حالت بہتر بنانے کے بجائے ایک خیراتی اور رفاہی ادارے کی منتظم مس خوشی کبیر نے اپنی حالت بہتر بنانے پر توجہ دی۔ یہ خاتون ڈھاکہ کے علاقے "دھن منڈی" کے عالی شان محل نما گھر میں رہتی ہے۔

یہ سب این جی اوز اور ان کے پریشر گروپ بالعموم بھارت نواز، سیکولر اور اسلام مخالف ہیں اور طبقاتی اور نظریاتی جنگ کی حمایت کرتے ہیں۔ اب تو این جی اوز ٹریڈ یونینوں اور پریشر گروپوں کے ذریعے بالواسطہ سیاست میں مداخلت کی بجائے ملکی سیاست میں بلاواسطہ مداخلت کرنے لگی ہیں۔ سرکاری این جی اوز بیورو نے اپنی رپورٹ میں کم از کم ۱۶ بڑی این جی اوز کے نام لکھے ہیں جو سیاسی طور پر بے حد فعال ہیں۔ این جی اوز اپنے رسالے اور خبرنامے بھی شائع کر رہی ہیں۔ اس کے ساتھ ساتھ یہ سیاسی موقف اپناتی ہیں اور اسلام اور اسلامی قوانین کو تنقید کو تنقید کا نشانہ بناتی ہیں۔ بنگلہ دیشی پریس نے الزام لگایا کہ

این جی اوز اپنی پسند کی سیاسی پارٹیوں کو رقوم فراہم کرتی ہیں، بلدیاتی انتخابات میں امیدواروں کا تعین کرتی ہیں اور جاتیہ سنگساد (قومی اسمبلی) کے انتخاب میں مخصوص امیدواروں کی انتخابی مہم چلاتی ہیں۔ گزشتہ عام انتخابات میں CARITAS اور WORLD VISION کی حمایت یافتہ امیدوار پی مانکن قومی اسمبلی کے حلقہ [illegible] سے منتخب ہو گئے۔ نئے عیسائی پی مانکن عوامی لیگ کے امیدوار تھے۔ انہوں نے حکمران بنگلہ دیش نیشنل پارٹی کے امیدوار ٹی ایچ خان کو شکست دی۔ ٹی ایچ خان سابق وزیر اور بنگلہ دیش کے ممتاز قانون دان ہیں۔

این جی اوز اور ان کے پیشتر گروپ بالعموم بھارت نواز اور اسلام مخالف ہیں۔ وہ طبقاتی اور تذکیر و تانیث کی جنگ کی حوصلہ افزائی کرتے ہیں۔ بالواسطہ طور پر این جی اوز ٹریڈ یونینوں اور پیشہ ور گروہوں کے ذریعے بالواسطہ سیاست میں مداخلت کی بجائے اب کھلی سیاست میں براہ راست مداخلت کرنے لگی ہیں۔

بنگلہ دیش کے سیاسی مبصرین کے خیال میں چٹاگانگ کے پہاڑی علاقوں (CHITTA GONG HILL TRACTS) کی سیاست میں این جی اوز کی براہ راست مداخلت حد درجہ بڑھ گئی ہے اور اس سے بھارت کے حمایت یافتہ گروپ شانتی باہنی (امن فوج) کی شورش کو شہ ملی ہے۔ اس شورش کی وجہ سے بنگلہ دیشی حکومت اس علاقے میں اپنے ترقیاتی کاموں کو پایہ تکمیل تک نہ پہنچا سکی اور اسے اس پسماندہ علاقے کے مسئلے کا سیاسی حل سوچنا پڑا۔ این جی اوز کے انسانی ہمدردی کے مقاصد کی بنا پر حکومت اس علاقے میں باغیانہ سرگرمیوں کو بھی نہیں کچل سکی۔ اس علاقے کی [illegible] جہاں این جی اوز نے بہبود فراہم کرنے والے اداروں [illegible] کا تعین کر رکھا ہے۔

یہ این جی اوز مغربی سفارت خانوں، امریکی کانگرس مینوں اور انسانی حقوق کی مغربی لابیوں کو متحرک کرنے میں شانتی باہنی کی مدد کرتی ہیں تاکہ وہ بنگلہ دیشی حکومت پر اپنا دباؤ بڑھائیں۔ شانتی باہنی کا خفیہ خبر رساں ادارہ (RADAR) ایسے مواد پر مشتمل ہوتا ہے کہ جو کسی این جی او نے فراہم کیا ہوتا ہے یا این جی او کے ذریعے مہیا کیا ہوتا ہے۔ اگر برطانوی ہائی کمشنر بنگلہ دیش کے وزیر خارجہ کو خط لکھتا ہے تو اسے ریڈار میں پڑھا جا سکتا ہے۔ یہ انکشاف کہ مشنری اسپتال نے چالیس ہزار لوگوں کو عیسائی بنانے کا دعویٰ کیا ہے۔

سرکاری این جی او بیورو کی رپورٹ میں بھی ظاہر کر دی ہے کہ بنگلہ دیشی حکومت اکثر غیر ملکی این جی اوز کی غیر فلاحی سرگرمیوں سے غافل نہیں ہے۔ حکومت نے این جی اوز کی سرگرمیوں کے بارے میں ٹرانسپیرنسی لاگو کی ہے اور فنڈز کی وصولی اور استعمال کے طریقوں میں جوابدہی کا نظام متعارف کرانے کی کوشش کی ہے۔ حکومت نے یہ بھی کوشش کی کہ چند "شرارتی" تنظیموں کی رجسٹریشن منسوخ کر دی جائے۔

لیکن ان تنظیموں کے غیر ملکی پشت پناہوں کے دباؤ پر یہ فیصلہ واپس لینا پڑا ہے۔

گزشتہ برس اپریل میں خبر آئی کہ حکومت این جی اوز کے کام پر نظم و ضبط رکھنے والے قوانین میں اس نقطہ نظر کے ساتھ ترمیم کر رہی ہے کہ غیر ملکی فلاحی اور امدادی ادارے ملکی مفاد کے منافی سرگرمیوں اور ملکی سیاست میں ملوث ہونے سے باز رہیں۔ اخبار "دی مارننگ سن" (صبح کا سورج) نے اپنی ۲۰ اپریل ۱۹۹۲ء کی اشاعت میں لکھا کہ حکومت کو قوانین میں ترمیم پر مجبور کیا گیا تھا کیونکہ یہ حقیقت منظر عام پر آئی تھی کہ چند این جی اوز ان پڑھ اور جاہل لوگوں کو پیسے اور مادی فوائد کا لالچ دے کر عیسائی بنا رہی تھیں اور ملکی سیاست میں حصہ لے رہی تھیں۔

اسی روز ڈھاکہ میں امریکی سفیر نے ایک ظہرانے میں کہا: "طاقت کے متنوع مراکز کے بارے میں مشتبہ ہونے کی ضرورت نہیں، جیسے کہ این جی اوز وغیرہ، اور نہ ہی ان سے دشمنوں جیسا سلوک کرنا چاہیئے۔" ہمارے تجربے کے مطابق تو این جی اوز بہتر کام اور معاشرے کی بہتر خدمت کر سکتی ہیں بشرطیکہ انہیں کم سے کم کنٹرول کیا جائے۔"

امریکی سفیر نے اعلان کیا کہ: "مختلف گروپوں مثلاً بزنس ایسوسی ایشنز، این جی اوز اور ٹریڈ یونینوں کو حکومت کا مخالف ہونا چاہیئے نہ حکومت کا حمایتی۔"

امریکی سفیر کی طرف سے "طاقت کے مختلف مراکز" کا قانون پیش کرنے کے بعد عالمی بینک کے مقامی نمائندے این جی اوز کے کردار میں توسیع کا مطالبہ کیا کیونکہ

۱۔ امداد دینے والے ممالک چاہتے ہیں کہ این جی اوز ملکی ترقی میں زیادہ سے زیادہ حصہ لیں ..... اور

۲۔ وہ امداد باہمی کی کاروائیوں اور پروگراموں کو پایہ تکمیل تک پہنچانا چاہتے ہیں کیونکہ حکومتی اداروں کی کارکردگی تسلی بخش نہیں۔

اگر حکومتی اداروں کی کارکردگی اطمینان بخش نہیں تو وہ جو تعمیر و ترقی میں حکومت کی دوستی کے دعویدار ہیں انہیں چاہیئے کہ ان مشکلات پر قابو پانے کے لیے حکومت کی مدد کریں، لیکن عالمی بینک کی منطق سامراجی ہے کہ:

"کیونکہ تم نہیں کر سکتے اس لیے ہم انتظام سنبھالیں گے .... اور تمہیں اپنے پیروں پر کھڑا ہونے کی اجازت نہیں دی جائے گی۔"

حال ہی میں ایک بار پھر بنگلہ دیشی حکومت نے این جی اوز کی سرگرمیوں کو نظم و ضبط میں رکھنے کے لیے قانون نافذ کرنے کا سگنل دیا ہے تاکہ اس امر کو یقینی بنایا جا سکے کہ یہ تنظیمیں ملک کے سماجی اور قانونی فریم ورک کے ڈسپلن اور اخلاقیات کے اندر رہتے ہوئے کام کریں ..... لیکن این جی اوز "ADAB" کی کوارڈی

نیز مس خوشی کبیر نے کہا ہے کہ یہ قانون "گھٹن کا ماحول پیدا کر دے گا اور اس بات کو ناممکن کر دے گا کہ این جی اوز ترقیاتی کاموں کو کنڈکٹ کریں۔" اسی تنبیہ کے ساتھ ساتھ مس خوشی کبیر نے مجوزہ قانون کو رد کرتے ہوئے کہا ہے کہ "یہ قانون حکومت کی آزاد روی کی پالیسی اور جمہوری عمل کو فروغ دینے کے اعلان سے مطابقت نہیں رکھتا۔"

یہ دیکھنا دلچسپی کا باعث ہوگا کہ کیا وزیراعظم خالدہ ضیاء این جی اوز کے طاقتور سرپرستوں کا بہادری سے مقابلہ کرتی ہیں اور قوم کی اتھارٹی کو نئے امدادی سوداگروں سے منواتی ہیں۔

برناڈ شا نے "سامراجی" کو آزادی کا عظیم چیمپئن قرار دیا تھا کہ ایک سامراجی آدھی دنیا کو فتح کر کے اسے اپنی عملداری میں شامل کرتا ہے اور اسے نوآبادیات کا نام دیتا ہے۔ جب اسے اپنی مانچسٹر کی اشیاء کے لیے نئی منڈی درکار ہوتی ہے تو وہ لوگوں کو انجیل کی تعلیم دینے کے لئے اپنے مبلغ وہاں بھیجتا ہے۔ مقامی باشندے مبلغ کو قتل کر دیتے ہیں تو وہ عیسائیت کے تحفظ میں اپنی مسلح فوجوں سے وہاں کی سرزمین پر قبضہ کر لیتا ہے اور نئی منڈی کو خدائی عطیہ سمجھتا ہے۔

(بقیہ صفحہ ۲ سے)

فضا کے تغیر سے موسم کا حال معلوم ہوتا ہے اسی طرح ان تحریکوں کی وسعتِ رفتار سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ یاس و قنوط کے بعد ابرِ رحمت کا فیض درافشانی کو آمادہ ہے ضرورت ہے کہ تھوڑے تھوڑے اختلاف رہنے کے باوجود اصل متفقہ مقصد پر سب متحد رہیں"۔ اسی قسم کی ایک اور تحریر میں مزید وضاحت فرماتے ہیں ..... اسلامی ملکوں میں بحمداللہ کہ ہندوستان کی حالت اب بھی غنیمت ہے کہ دینی تغافل اور سیاسی انہماک کے باوجود یہاں علماء، تعلیم یافتہ اور عوام کی ایک جماعت گو وہ تھوڑی ہی ہو۔ ایسی موجود ہے جو دین کی خدمت اور اعلاء کے لیے سرگرمی کے ساتھ مصروف عمل اور عوام کو دین سے مربوط اور تعلیم یافتوں کو مذہب سے آشنا کرنے کے لیے اخلاص کے ساتھ کام کر رہی ہے (اور ان کی) تاثیر عوام اور تعلیم یافتہ طبقوں میں پھیل رہی ہے۔ ممکن ہے کسی کو ان میں سے کسی کے طریق کار سے مخلصانہ اختلاف ہو تاہم جس حد تک مشترک مقصد کا تعلق ہے ان کی نیک مساعی کا اعتراف اور ان کی کامیابی کی دعا کرنی چاہیئے۔ اور اختلاف کو مخالفت کا رنگ نہیں دینا چاہیئے۔ کیونکہ اصل مقصود دین کی خدمت ہے اشخاص کی بحث نہیں ؎

من و تو گر ہلاک شویم چہ باک
غرض اندر میاں سلامت اوست

(رسالہ معارف ماہ جنوری ۱۹۳۶ء ص ۳)